OPEN ACCESS
RUSHAD
(Bi-Annual Research Journal of Islamic Studies)
Published by: *Lahore Insititute for Social Sciences, Lahore.*

ISSN (Print): 2411-9482
ISSN (Online): 2414-3138
Jul-Dec-2020
Vol: 1, Issue: 2
Email: journalrushd@gmail.com
OJS: https://rushdjournal.com/index

مولانا محمد رمضان سلفی[1]
ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی[2]

تحقیق حدیث میں عقلی درایتی اصولوں کا قیام: محدثین کی نظر میں

Abstract

In the verification of Ḥadīth, there are two important terminologies used: Riwāyah (narration) and Dirāyah (cognition). The former relates to the narration or transmission and the latter relates to the text of the Ḥadīth. The noble scholars of Ḥadīth have verified the Prophetic traditions by principles that consider both, cognition and transmission of these narrations. However, some contemporary scholars are of the view that Aḥadīth are only verified in terms of their transmission and the cognition or reasonableness of the text remains yet to be verified, but this opinion is incorrect.

Verification of Ḥadtīh with respect to its transmission refers to the validation or verification of its chain of narration primarily, whereas the verification with respect to its cognition means to observe if the meaning is appealing logically and in conformity to Qur'ānic meaning or not. The cognitive principles that are put forward by some of these contemporary scholars are not

[1] شیخ الحدیث جامعہ لاہور الاسلامیہ، لاہور۔
[2] پرنسپل لاہور انسٹیٹیوٹ فار سوشل سائنسز، لاہور۔

those of Muḥaddithīn, because the principles of Muḥaddithīn are already transcribed in their books of Usūl al-Ḥadīth (Principles of Ḥadīth) and they are not part of them.

In the view of Muḥaddithīn, the principles those are applicable for rejecting a Ḥadīth, do not include any principle that allows one to reject a narration based on its inconformity to Qur'ānic meaning. Nevertheless, it could be considered as an indication but not a primary principle. Therefore, any such Ḥadīth that is not found in the primary books of Aḥādīth and is also against the meaning of any Qur'ānic Verse can be renounced. It is notable however that it will be renounced primarily on the basis of its chain of narration and not merely because of its inconformity, because any such Ḥadīth is unlikely to have any valid chain of narration .

As opposed to the classical view, the modernistic approach towards these principles based on cognitive consideration entails discarding narrations that are not only approved by the strong chain of narration and principles of validity, but also those that are found in the two major books of Hādīth i.e. Sahīhayn. It is also notable that according to this approach, the reason for renunciation implies declaration of any such narration to be inconformity to Qur'ān merely on the basis of an individual's understanding and interpretation as opposed to the classical or mainstream understanding of scholarly experts of the field. Similarly, in practice, according to the modern view, the meaning of any narration that is considered logically unreasonable refers to that specific narration which fails to appeal an individual's reason and logic rather than mainstream academics' reasoning and comprehension .

عصر حاضر میں حدیث نبوی کی درایتی تحقیق کا مطالبہ بڑی شدومد کے ساتھ جاری ہے اور بعض معاصر اسکالر

حضرات حدیث نبوی کو خلاف قرآن یا خلاف عقل قرار دے کر اس کو رد کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ آج کل اس مخصوص فکر و ذہن کے ساتھ حدیث نبوی کا انکار کرنا ایک عام مشغلہ بن کر رہ گیا ہے کہ جسے سند جواز فراہم کرنے کے لیے کبھی تو خود آئمہ سلف کے ساتھ ملایا جاتا ہے اور کبھی اِستدراکات صحابہ کا سہارا لیا جاتا ہے اور کبھی محدثین کرام رحمہم اللہ کے اصول درایت کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ نہ تو حضرات صحابہ کرام کو درایت کے اس عقلی منہج کے ساتھ کوئی علاقہ ہے اور نہ ہی محدثین عظام رحمہم اللہ کو اس غلط تصور کے ساتھ کوئی واسطہ، کیونکہ جب عربی زبان میں لفظ درایت عقل کے معنٰی میں مستعمل ہی نہیں تو درایت حدیث کے نام پر حدیث رسول ﷺ کو عقل یا عقل عام کے خلاف کہہ کر رد کر دینے کا اصول بے جا ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں ہم محدثین کرام رحمہم اللہ کی طرف منسوب ان چند اقوال کی وضاحت پیش کریں گے کہ جنہیں 'اہل درایت' نے اپنے موقف کے اثبات کے لیے بطور حوالہ ذکر کیا ہے۔ اس ضمن میں ہم وضاحت کریں گے کہ ان اقوال کی نوعیت کیا ہے؟ اور محدثین کرام رحمہم اللہ کس قسم کی متنی تحقیق کے قائل ہیں؟ نقد روایت کے درایتی تصور کے اثبات کے لیے عام طور پر درج ذیل محدثین کرام رحمہم اللہ کو سر فہرست ذکر کیا جاتا ہے:

1۔ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 463ھ) 2۔ عثمان بن عبد الرحمن بن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 643ھ)

3۔ ابن دقیق العید رحمہ اللہ (متوفیٰ 702ھ) 4۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ (متوفیٰ 751ھ)

5۔ علی بن محمد کنانی رحمہ اللہ (متوفیٰ 963ھ) 6۔ عمر بن بدر حنفی رحمہ اللہ (متوفیٰ 622ھ)

7۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ (متوفیٰ 1014ھ) 8۔ شمس الدین محمد سخاوی رحمہ اللہ (متوفیٰ 902ھ)

9۔ ابن الجوزی رحمہ اللہ (متوفیٰ 597ھ)

اِمام خطیب بغدادی رحمہ اللہ کا موقف

محدثین کرام رحمہم اللہ میں خطیب بغدادی رحمہ اللہ کا مقام آئمہ کی صف میں ہوتا ہے۔ 'درایت' کے اصولوں کی وضاحت کرتے ہوئے خطیب بغدادی رحمہ اللہ اپنی کتاب الفقیہ والمتفقہ میں لکھتے ہیں:

"وإذا روى الثقة المأمون خبرا متصل الإسناد رد بأمور: أحدها أن يخالف موجبات العقول فيعلم بطلانه لأن الشرع إنما يرد بمجوزات العقول وأما بخلاف العقول فلا. والثاني أن يخالف نص الكتاب أو السنة المتواترة فيعلم أنه لا أصل له أو منسوخ. والثالث أن يخالف الإجماع فيستدل على أنه منسوخ

أو لا أصل له لأنه لايجوز أن يكون صحيحا غير منسوخ وتجمع الأمة على خلافه والرابع أن ينفرد الواحد برواية ما يجف على كافة الخلق علمه فيدل ذالك على أنه لا أصل له لأنه لا يجوز أن يكون له أصل وينفرد هو بعلمه من بين الخلق العظيم. والخامس أن ينفرد برواية ما جرت العادة بأن ينقله أهل التواتر فلا يقبل لأنه لا يجوز أن ينفرد في مثل هذا بالرواية."[1]

"جب کوئی ثقہ اور مامون راوی ایسی روایت بیان کرے جس کی سند بھی متصل ہو تو اس کو ان امور کے پیش نظر رد کر دیا جائے گا: ایک یہ کہ وہ تقاضائے عقل کے خلاف ہو۔ اس سے اس کا بطلان معلوم ہو گا کیونکہ شرع کا ورود عقل کے مقتضیات کے مطابق ہوتا ہے نہ کہ عقل کے خلاف۔ دوسرا یہ کہ وہ کتاب اللہ کی نص یا سنت متواترہ کے خلاف ہو۔ اس سے معلوم ہوتا کہ اس کی کوئی اصل نہیں یا یہ منسوخ ہے۔ تیسرا یہ کہ وہ اجماع کے خلاف ہو۔ اس سے یہ استدلال کیا جائے گا کہ وہ منسوخ ہے یا اسکی کوئی اصل نہیں کیونکہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ صحیح اور غیر منسوخ ہو اور امت کا اس کے خلاف اجماع ہو جائے۔ چوتھا یہ کہ ایسے واقعہ کو صرف ایک راوی بیان کرے جس کا جاننا تمام لوگوں پر واجب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس کی کوئی اصل نہیں کیونکہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایسی بات کی کوئی اصل ہو اور تمام لوگوں میں سے صرف ایک راوی اس کو نقل کرے۔ پانچویں یہ کہ ایسی بات کو صرف ایک آدمی نقل کرے جس کو عادتاً لوگ تواتر کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ یہ بھی قبول نہیں ہو گی کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ ایسے واقعہ کو نقل کرنے والا صرف ایک آدمی ہو۔"

اِمام ابن صلاح رحمہ اللہ کا موقف

محدثین کرام رحمہم اللہ کے ہاں ابن الصلاح رحمہ اللہ کو امیر المومنین فی اصول الحدیث کا مقام حاصل ہے۔ تحقیق متن کے اصولوں کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"وقد يفهمون الوضع من قرينة حال الراوى أو المروى، فقد وضعت أحاديث طويلة يشهد بوضعها ركاكة ألفاظها ومعانيها. "[2]

1 البغدادى، خطيب، أبو بكر أحمد بن علي بن ثابت، الفقيه والمتفقه، تعليق، الشيخ إسماعيل الأنصاري،(بيروت: دار أحياء السنة النبوية، 1975ء)،1: 132۔

2 ابن الصلاح، عثمان بن عبد الرحمن، مقدمة ابن الصلاح،(المدينة المنورة: المكتبة العلمية، س ن)، 89۔

"کبھی محدثین کرام رحمہم اللہ حدیث کے جعلی ہونے کا فیصلہ راوی یا مروی یعنی متن کو دیکھ کر کرتے ہیں، چنانچہ بہت سی طویل حدیثوں کے الفاظ و معانی کی رکاکت (سطحیت) خود ان کے مَن گھڑت ہونے کی شہادت دیتی ہے۔"

اِمام ابن دقیق العید رحمہ اللہ کا موقف

اِمام سخاوی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے کہ اِمام ابن دقیق العید رحمہ اللہ نے فرمایا:

"وكثيرا ما يحكمون بالوضع باعتبار أمور ترجع إلى المروى وألفاظ الحديث"[1]

"اکثر و بیشتر محدثین جن علامات کی بنیاد پر حدیث کے موضوع ہونے کا فیصلہ کر لیتے ہیں اس کا تعلق مروی اور الفاظِ حدیث سے ہے۔"

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کا موقف

اِمام ابن قیم رحمہ اللہ کے حوالے ذکر کیا جاتا ہے کہ انہوں نے نقدِ روایت کے درایتی معیار کی وضاحت کے لیے "المنار المنيف في الحديث الصحيح والضعيف" کے نام سے مستقل کتاب تصنیف فرمائی ہے، جس میں انہوں نے ان درایتی اصولوں کا تذکرہ وضاحتاً کیا ہے کہ اگر وہ کسی بھی حدیث میں پائے جائیں تو حدیث ضعیف ہو گی۔ مثلاً ابن قیم رحمہ اللہ حدیث ((من عشق وكتم وعفى وصبر غفر الله له وأدخله الجنة)) پر یوں تبصرہ فرماتے ہیں:

"فلو كان إسناد هذا الحديث كالشمس كان غلطا ووهما."[2]

"اگر اس حدیث کی سند آفتاب کی طرح ہوتی تو بھی یہ غلط اور وہم ہو گی۔"

ابو الحسن علی بن محمد کنانی رحمہ اللہ کا موقف

اسی طرح ابو الحسن علی بن محمد کنانی رحمہ اللہ نے 'موضوعات' سے متعلقہ اپنی معروف کتاب میں فرمایا ہے:

"قرينة في المروى كمخالفة لمقتضى العقل بحيث لا يقبل التأويل ويلتحق به ما

---

1 السخاوي، أبي عبد الله محمد بن عبد الرحمن، فتح المغيث،(مصر: مكتبة السنة ، 2003ء)،1: 331۔

2 الجوزية، محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين ابن قيم، زاد المعاد،(بيروت: مؤسسة الرسالة، الطبعة السابعة والعشرون، 1994ء)،4: 276۔

يدفعه الحس والمشاهدة والعادة."[1]

"مروی (متن) میں وضعی ہونے کا قرینہ یہ ہے کہ وہ مقتضائے عقل کیخلاف اس طرح ہو کہ کوئی تاویل نہ قبول کر سکے، اسی میں وہ بھی شامل ہے جو حس، مشاہدہ اور عادت کے خلاف ہو۔"

عمر بن بدر الموصلی رحمہ اللہ کا موقف

محدثین کرام کا تحقیق متن کے سلسلہ میں کیا منہج ہے؟ اس بارے عمر بن بدر الموصلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لم يقف العلماء عند نقد الحديث من حيث سنده بل تعدوا إلى النظر في متنه فقضوا على كثير من الأحاديث بالوضع وإن كان سندا سالما إذا وجدوا في متونها عللا تقضى بعدم قبولها."[2]

"علما نے نقد حدیث کے معاملے میں صرف سند پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس دائرے میں متن کو بھی شامل کیا ہے چنانچہ انہوں نے بہت سی ایسی حدیثوں کے موضوع ہونے کا فیصلہ کیا ہے جن کی سندیں اگرچہ درست تھیں لیکن ان کے متن میں ایسی خرابیاں پائی جاتی تھیں جو ان کو قبول کرنے سے مانع تھیں۔"

ملا علی قاری رحمہ اللہ اور اِمام سخاوی رحمہ اللہ وغیرہ کا موقف

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے "الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة" میں اور اِمام سخاوی رحمہ اللہ نے فتح المغیث میں 'موضوع' کی بحث کے ضمن میں ان علامات کا تفصیل سے تذکرہ فرمایا ہے جو عام طور پر موضوع روایات کے متن میں پائی جاتی ہیں۔ 'اہل درایت' نے اِمام ابن قیم، ملا علی قاری، اِمام سخاوی اور اِمام ابن جوزی رحمہم اللہ کو ہی نقد روایت کے درایتی معیار میں اصل بنیاد کے طور پر پیش فرمایا ہے۔ بلکہ علامہ تقی امینی رحمہ اللہ نے اپنی معروف تصنیف 'حدیث کا درایتی معیار' میں انہی اشخاص کے حوالے سے 26 کے قریب درایتی اصول ذکر کیے ہیں اور دعویٰ کیا ہے کہ یہی وہ ضابطے ہیں جن کی روشنی میں ایک حدیث کو قبول کرنے کا معیار قائم ہوتا ہے۔[3]

---

1 الكناني، نور الدين علي بن محمد، تنزيه الشريعة المرفوعة عن الاخبارالشيعةالموضوعة، (بيروت: دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى، 1399ھ)، 1: 6۔

2 لقمان سلفى، محمد، اهتمام المحدثين بنقد الحديث سندا ومتنا، (الرياض: دار الداعي للنشر والتوزيع، س ن): 393۔

3 امینی، محمد تقی، مولانا، حدیث کا درایتی معیار، (کراچی: قدیمی کتب خانه ، 1986ء) :191 ۔259۔

اِمام ابن جوزی رحمہ اللہ کا موقف

1۔اِمام ابن جوزی رحمہ اللہ نے نقدِ روایت میں متن سے متعلق ضوابط کو نہایت خوبصورت طریقے سے مختصر اور جامع الفاظ میں یوں سمیٹ دیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

"ما أحسن قول القائل: إذا رأيت الحديث يباين المعقول أويخالف المنقول أو يناقض الأصول فاعلم أنه موضوع."[1]

"کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے کہ جب کوئی روایت عقل و نقل یا اصول کے خلاف ہو تو وہ موضوع ہے۔"

2۔اس سلسلہ میں ابن جوزی رحمہ اللہ کا ایک اور مشہور قول یہ ہے:

"الحديث المنكر يقشعر له جلد الطالب للعلم وينفر منه قلبه في الغالب"[2]

"حدیث منکر وہ ہوتی ہے کہ جس کے ظاہری متن ہی سے طالب علم کو وحشت ہوتی ہے اور اس کا دل اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے لیکن یہ حالت اکثر ہوتی ہے، ہر صورت نہیں۔"

3۔محدث ابن جوزی رحمہ اللہ کا ایک مشہور قول یہ بھی ہے کہ فرماتے ہیں:

"وقد يكون الإسناد كله ثقات ويكون الحديث موضوعا أو مقلوبا"[3]

"کبھی کل سندیں ثقہ ہوتی ہیں، پھر بھی حدیث موضوع یا مقلوب ہوتی ہے۔"

بعض محدثین رحمہم اللہ کی طرف منسوب درایتی عقلی اصولوں کا جائزہ

حدیث کے درایتی معیار کے ضمن میں علامہ تقی امینی رحمہ اللہ اور ان کے ہم فکر حضرات کو دراصل محدثین کرام رحمہم اللہ کے فن میں موجود مباحث میں عدم نکھار کے وجہ سے یہ مغالطہ لگا ہے کہ محدثین کرام رحمہم اللہ کسی حدیث کو محض متن میں پائے جانے والی کمزوری کی وجہ سے رد کر دیتے ہیں، حالانکہ امر واقعہ اس کے بالکل برخلاف ہے۔ تفصیل اس امر کی یہ ہے کہ درایتی معیار کے حاملین موضوع یا ضعیف حدیث کی تعریف اور اس

---

1 السيوطي، جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر، تدريب الراوى،(لاہور: دار نشر الكتب الإسلامية، شارع شيش محل) ، 1: 277۔

2 ابن الجوزي، أبي الفرج عبد الرحمن بن علي، الإمام، الموضوعات،(الرياض:مكتبة التدمرية، س ن)،1: 146۔

3 الموضوعات،1: 141۔

کے پہچاننے کی علامات میں فرق نہ کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا تقی امینی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'حدیث کے درایتی معیار' میں ملا علی قاری کی "الأسرار المرفوعة" یا اِمام سخاوی کی "فتح المغیث" یا اِمام ابن قیم رحمہ اللہ کی "المنار المنیف" کے حوالے سے جو درایتی اصول بیان کئے ہیں وہ سارے معرفت وضع الحدیث کے کلیات و قواعد ہیں۔ جنہیں محدثین قرائن کے قبیل سے بیان کرتے ہیں، تا کہ اس طور پر کہ کونسی حدیث کب موضوع ہوتی ہے یا کب ضعیف ہوتی ہے۔ محدثین کرام رحمہم اللہ اس پر متفق ہیں کہ موضوع یا ضعیف حدیث وہی ہوتی ہے جس میں کوئی واضع یا مجروح راوی پایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اصول حدیث کی تمام عربی کتب میں رکاکت الفاظ، مخالف قرآن روایت، عقل عام یا صریح عقل کے مخالف روایت، متعین تاریخی حقائق کے خلاف روایت، حس کے مخالف حدیث وغیرہ جیسے اصولوں کو "کیف یُعرَف الحدیث الموضوع" کا عنوان قائم کر کے بیان کیا گیا ہے اور یہ تمام محدثین جب موضوع یا ضعیف حدیث کی تعریف کرتے ہیں تو تعریف الموضوع کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

"إذا كان سبب الطعن في الراوي هو الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم فحديثه يسمى الموضوع"[1]

اسی طرح تمام ائمہ حدیث ضعیف حدیث کی تعریف میں واضح کرتے ہیں کہ جو روایت درجہ حسن کو نہ پہنچ سکے، ضعیف کہلاتی ہے۔ اِمام بیقونی رحمہ اللہ (متوفیٰ 1080ھ) اپنے مشہور منظومہ اصول حدیث میں فرماتے ہیں:

"كل ما عن رتبة الحسن قصر فهو الضعيف وهو أقسام كثر."

اسی طرح اِمام سخاوی رحمہ اللہ خبر صحیح اور خبر ضعیف کی تعریف کے ضمن میں فرماتے ہیں:

"خبر صحیح وہ ہوتی ہے جس کی سند متصل ہو اور اس کے راوی عادل و ضابط ہوں۔ ضبط قوی ہو تو روایت کو صحیح اور ضبط خفیف ہو تو روایت کو حسن کہتے ہیں۔ چنانچہ اگر روایت میں روای عادل نہ ہو یا راوی کا ضبط ضعیف ہو تو وہ روایت محدثین رحمہم اللہ کے ہاں ضعیف کہلائے گی۔"[2]

---

[1] عراقي، أبو الفضل زين الدين عبد الرحيم بن الحسين بن عبد الرحمن، التبصرة والتذكرة وشرحها، (بيروت: دار الكتب العلمية ،س ن) :166۔

[2] فتح المغيث،1: 96۔

صورت حال یہ ہے کہ جب محدثین کرام رحمہم اللہ نے ضعیف یا موضوع احادیث کا عام طور پر جائزہ لیا یا ان پر آگاہی کے لیے تصانیف مرتب کیں تو انہوں نے اس قسم کی احادیث میں چند ایسی عمومی علامات پائیں کہ جو حدیث بھی اپنے رواۃ کی نسبت سے ضعیف یا موضوع ثابت ہوئی ان میں یہ علامات پائی گئیں۔ اسی سے محدثین رحمہم اللہ نے موضوعات سے متعلقہ اپنی کتب میں یہ اسلوب اختیار فرمایا کہ موضوع حدیث کی تعریف ذکر کرنے کے بعد مستقلاً اس موضوع کو بھی زیر بحث لاتے ہیں کہ وہ علامات کونسی ہیں جو موضوع یا ضعیف حدیث میں عام طور پر پائی جاتی ہیں۔

صحیح حدیثوں کے بارے میں امام حاکم رحمہ اللہ (متوفیٰ 405ھ) نے اپنی کتاب "معرفة علوم الحديث" میں ربیع بن خثیم رحمہ اللہ (متوفیٰ 64ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے:

"له ضوء كضوء النهار"[1]

"صحیح حدیثوں میں روشنی دن میں روشنی کی طرح ہوتی ہے۔"

ضعیف حدیثوں کے بارے میں ربیع بن خثیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"له ظلمة كظلمة الليل."[2]

"ضعیف حدیثوں میں تاریکی رات کی تاریکی کی طرح ہوتی ہے۔"

موضوع روایت کی پہچان کی علامات کے سلسلے میں حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ کچھ علامات کا ذکر کرتے ہیں:

"إنما يعرف كون الحديث موضوعا بإقرار واضعه أو ما يتنزل منزلة إقراره، وقد يفهمون الوضع من قرينة حال الراوى أو المروى."[3]

"موضوع حدیث اس طرح پہچانی جاتی ہے کہ اس کا واضع خود اقرار کر لے یا اقرار کے قائم مقام کوئی چیز ظاہر ہو اور کبھی اہل علم راوی اور مروی (یعنی متنِ حدیث) کی حالت کے قرینے سے بھی موضوع حدیث کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں۔"

اس حوالے سے ملا علی قاری رحمہ اللہ موضوعات کبیر میں فرماتے ہیں:

---

1 النيسابوري، أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله، معرفة علوم الحديث،(بيروت: دارالكتب العلمية،الطبعة الثانية،1977ء): 62۔

2 معرفة علوم الحديث: 26۔

3 مقدمة ابن الصلاح: 58۔

"والأحاديث الموضوعة عليها ظلمة وركاكة ومجاز فات باردة تنادى على وضعها واختلافها."[1]

"موضوع حدیثوں میں ایک خاص قسم کی تاریکی، سطحیت اور بے تکا پن پایا جاتا ہے، جو اس کے جعلی ہونے کو پکار پکار کر کہتا ہے۔"

لیکن یہ بات یاد رہے کہ متنِ حدیث کو دیکھ کر کسی روایت کے موضوع ہونے کا پتہ لگانا ہر کس وناکس کا کام نہیں، بلکہ یہ صرف اسی فنِ حدیث کے ماہر کا کام ہے، جو سننِ صحیحہ کی معرفت میں انتہائی پختہ ہو، سنن وآثار اور سیرتِ رسول ﷺ کی معرفت میں اسے ملکہ حاصل ہو، اسے علم ہو کہ رسول ﷺ کس چیز کا حکم دیتے ہیں اور کس سے روکتے ہیں، کس کی ترغیب دیتے ہیں اور کس سے ڈراتے ہیں، کسے پسند کرتے ہیں اور کسے ناپسند کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ الفاظِ حدیث کے ذریعے وضعِ حدیث کا حکم لگانا صرف اسی کا کام ہے جو نبی کریم ﷺ کے اقوال وافعال میں تتبع کرنے اور ان میں سے صحیح کو غیر صحیح سے ممتاز کرنے کا حریص ہو، جیسا کہ اِمام ابن قیم رحمہ اللہ نے یہ وضاحت فرمائی ہے۔[2]

اِمام ابن دقیق العید رحمہ اللہ نے بھی اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ صرف اسی کا کام ہے جو نبی کریم ﷺ کے الفاظ کی جستجو میں بہت زیادہ کوشاں ہو اور اسے نبی ﷺ اور دوسروں کے الفاظ کی پہچان میں مہارت حاصل ہو۔[3] اِمام بلقینی رحمہ اللہ (متوفیٰ 805ھ) نے بھی یہی بات یوں فرماتے ہیں:

"نقادِ حدیث میں ایک خاص قسم کا ملکہ پیدا ہو چکا ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ موضوع حدیث کو پہچان لیتے ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی انسان کی کئی سال خدمت کرے تو اسے اس کی پسند اور ناپسند کا علم ہو جاتا ہے، پھر اگر کوئی دوسرا شخص آکر یہ دعویٰ کرے کہ اسے فلاں چیز سے نفرت ہے تو خادم اس کی بات کی طرف توجہ نہیں کرتا کیونکہ اسے علم ہوتا ہے کہ اس کا مالک اسے پسند کرتا ہے۔ یعنی مجرد سماع سے ہی اسے اس بات کا جھوٹ پتہ چل جاتا ہے (یہی

---

[1] ملاعلي القارى، نور الدين علي بن محمد بن سلطان، الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة المعروف بالموضوعات الكبرىٰ، تحقيق محمد بن لطفى، (بيروت: المكتب الإسلامي، الطبعة الثانية، 1986ء)

[2] ابن قيم، محمد بن أبي بكر بن أيوب، المنار المنيف في الصحيح والضعيف، تحقيق، محمود مهدى استانبولي، (حلب: مكتبة المطبوعات الإسلامية، حلب، الطبعة الأولى، 1390ھ ، 1970ء): 44۔

[3] فتح المغيث، 1: 268۔

حال نقادِ حدیث کا بھی ہے کہ انہیں مجرد سماع سے ہی حدیث کے موضوع و من گھڑت ہونے کا علم ہو جاتا ہے)۔"[1]

اس کے برعکس بعض معاصر اسکالرز حضرات عقلی درایتی اصولوں کی روشنی میں محدثین کی روایات کو ضعیف اور موضوع قرار دے رہے ہیں حالانکہ وہ تمام محدثین کہ جن کے حوالے سے یہ درایتی اصول نقل کیے جاتے ہیں۔ صحیحین کی روایات کی صحت پر متفق ہیں تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگرچہ مذکورہ بالا محدثین کی ان عبارتوں کو اس معنیٰ میں بھی لے لیا جائے کہ جس معنیٰ میں بعض معاصر اسکالرز لیتے ہیں تو پھر بھی ان اسکالرز حضرات کو یہ حق کم از کم نہیں پہنچتا ہے کہ وہ ان محدثین کے انہی درایتی اصولوں کی روشنی میں ان روایات کو مردود قرار دیں کہ جو انہی محدثین کے نزدیک قبولیت کی سند حاصل کر چکی ہیں۔

ضعف حدیث میں علامت اور علت کا فرق

واضح رہے کہ حدیث میں متن کی 'درایت' سے متعلق محدثین کرام کے جو اقوال اوپر ذکر کیے گئے ہیں ان کا عمومی مفہوم یہ ہے کہ محدثین کرام رحمہم اللہ خلاف قرآن، خلاف عقل وغیرہ امور کو بھی تحقیق و درایت حدیث میں ایک حیثیت دیتے ہیں، لیکن وہ حیثیت 'علت' کی نہیں بلکہ 'علامت' کی ہے۔ جیسا کہ اس کی مثال بلڈ پریشر یا بخار کی سی ہے کہ ان میں ڈاکٹر نبض یا اسٹیتھو سکوپ کے ذریعے مرض کی تشخیص کی کوشش کرتا ہے لیکن ممکن ہے کہ جسم کی حرارت یا خون کا پریشر کسی اور وجہ سے ہو۔ گویا بخار میں جسم کا گرم ہونا اور بلڈ پریشر میں مریض کے چہرہ کا سرخ ہو جانا یا سر چکرانا وغیرہ یہ چیزیں بیماری کے معلوم کرنے کی علامات بنتی ہیں، نہ کہ خود بیماری کی وجہ ہیں۔ ان علامات کے ذریعے ایک ڈاکٹر مریض کی تشخیص کر کے اصل مرض تک پہنچ جاتا ہے۔ عین اسی طرح محدثین کرام رحمہم اللہ کے نزدیک روایت کا قرآن، عقل، خبر متواترہ کے ظاہراً خلاف ہونا یا کوئی اور ذریعہ اس بات کی علامات ہیں کہ حدیث کی تحقیق دوبارہ کی جائے، نہ کہ یہ وہ اساسی کمزوریاں ہیں کہ محض ان کی بنا پر حدیث کو موضوع یا ضعیف کہہ دیا جائے۔ حدیث کے مردود ہونے کی علت عدم ثقاہت، انقطاع سند، شذوذ اور معلول ہونا ہے جبکہ اس کے مردود ہونے کی علامات میں اس کا خلاف قرآن اور خلاف عقل ہونا ہے وغیرہ۔ علامت سے

[1] تدریب الراوی :171۔

حدیث کے مردود ہونے کی تشخیص ہوتی ہے جبکہ علت سے حدیث کے مردود قرار پاتی ہے۔

موضوع حدیث وہ ہوتی ہے کہ جس میں پائے جانے والے کسی واضع راوی کے سبب اس روایت کو من گھڑت اور خود ساختہ قرار دیا جائے۔ اس قسم کی موضوع احادیث کا جب محدثین کرام رحمہم اللہ اور محققین نے جائزہ لیا تو انہوں نے اس قسم کی احادیث کو عام فہم طور پر بیان کرنے کے لیے چند ایسے اکثری اور اغلبی قواعد بیان کر دیے، جو موضوع احادیث میں عام جائزہ کے بعد انہیں بدیہی نظر آئے۔ اس قسم کے قواعد کو انہوں نے 'معرفۃ وضع حدیث کے طرق' کے عنوان سے ذکر کر دیا۔

جیسا کہ علامہ جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ (متوفیٰ 1332ھ) نے مستقل عنوان قائم کر کے تصریح فرمائی ہے کہ معرفت ضعیف یا معرفت موضوع کے تحت آئمہ نے جو کلیات عام طور پر ذکر کیے ہیں اس قسم کے کلیات قرائن میں سے ہوتے ہیں۔[1] اِمام نووی رحمہ اللہ (متوفیٰ 676ھ) بھی اس قسم کے اصولوں کو 'تقریب' میں "معرفة وضع الحديث" کی بحث قرار دیتے ہیں۔[2]

اس کے ساتھ ساتھ اگر اس بات پر ہی ذرا غور کر لیا جاتا تو مسئلہ واضح ہو جاتا کہ علامہ ابن الجوزی، ملا علی قاری، علامہ ابن قیم، علامہ سخاوی (متوفیٰ 902ھ) رحمہم اللہ وغیرہ کہ جنہوں نے موضوع روایات پر مستقل کتابیں لکھی ہیں انہوں نے اپنے اس قسم کے تمام ضوابط ان کتابوں میں درج کیے ہیں۔ چنانچہ یہ کتب ان ائمہ نے ضعیف یا صحیح روایت کے اصولوں پر نہیں لکھیں، بلکہ ان اصولوں پر مشتمل کتب تو 'اصول حدیث' کی کتب کہلاتی ہیں۔ یہ کتب انہوں نے محض ان اُصولوں کے اطلاقات کے بعد نتائج کی صورت میں احادیث میں سے جو مردود یا مقبول احادیث میں نکھار ہوا تو ان کو جمع کر کے مستقل تصنیفات میں اکٹھا کر دیا گیا۔ جیسا کہ اسی قسم کا کام دور حاضر کے نامور محدث علامہ ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ (متوفیٰ 1420ھ) نے "سلسلة الأحاديث الصحيحة" اور "سلسلة الأحاديث الضعيفة" کے نام سے دو مستقل انسائیکلوپیڈیاز تیار کر کے کیا ہے۔ چنانچہ ان سب ضوابط کا ائمہ مذکورہ کی طرف سے موضوعات سے متعلقہ کتب میں درج ہونا اس بات کی قوی اور سادی دلیل ہے کہ یہ اصول ضعفِ حدیث کے بنیاد کے طور پر نہیں بلکہ موضوع حدیثوں میں پائی جانے والی مشترکہ اشیا کے جائزہ کے

[1] قاسمي، جمال الدين، قواعد التحديث، (بيروت: دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى، 1979ء) :156۔

[2] تدريب الراوى، 1: 274۔

بعد ان کے حوالے سے اکثری قواعد پر مشتمل ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فن حدیث کے ماہرین نے ضعیف اور موضوع احادیث کو عمومی طور پر جاننے کے لیے کچھ ایسی علامات ذکر فرمائی ہیں کہ جن کے ذریعے متنِ حدیث کو دیکھ کر روایت کی کمزوری کو جانا جا سکتا ہے۔ ان علامات کا تفصیلی ذکر مشہور اہل علم میں سے خاص طور پر اِمام ابن قیم نے "المنار المنيف" میں، حافظ سیوطی (متوفیٰ911ھ) نے "اللآلی المصنوعة" میں، ملا علی قاری (متوفیٰ1014ھ) نے "الأسراء المرفوعة" میں، اِمام ابن جوزی نے "الموضوعات" میں، اِمام سخاوی نے "المقاصد الحسنة" اور "فتح المغیث" میں اور ابوالحسن علی بن محمد (متوفیٰ963ھ) رحمہم اللہ نے "تنزیه الشريعة الموفوعة" میں کیا ہے۔ ان تمام کتب میں ذکر کردہ اصولوں / علامتوں کو مجموعی طور پر علامہ محمد تقی امینی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'حدیث کے درایتی معیار' میں بالتفصیل بیان کرتے ہوئے 26 متعدد اصول اور علاماتِ ضُعف ذکر کی ہیں۔[1]

موضوع اور ضعیف حدیث کی معرفت کے قواعد کی نوعیت

ان قواعد کے بارے میں خود محدثین کرام رحمہم اللہ نے واضح کیا ہے کہ اس قسم کی علامات کی نوعیت کیا ہوتی ہے؟ چنانچہ اس ضمن وہ بعض باتیں واضح کرتے ہیں:

1۔ یہ ضوابط صحیح یا ضعیف کی معرفت کے قواعد ہیں، نا کہ تحقیق روایت میں حکم ان قواعد کی بنیاد پر لگتا ہے۔ جیسا کہ اِمام ابن جوزی رحمہ اللہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔[2]

2۔ یہ قواعد اکثری ہیں، کلی نہیں۔ یعنی ایسی صحیح روایات بھی موجود ہیں کہ جن کا جائزہ لیا جائے تو وہ اس سلسلہ میں مل جاتی ہیں کہ وہ قرآن کریم یا سنت معلومہ یا عقل و حواس سے حاصل ہونے والے علم کے بظاہر مخالفت ہوتی ہیں۔ اس ضمن میں ابن جوزی رحمہ اللہ ہی فرماتے ہیں:

"وينفر منه قلبه في الغالب."[3]

"حدیث منکر وہ ہوتی ہے کہ جس کا ظاہری متن ہی سے طالب علم کو وحشت ہوتی ہے اور اس کا دل

---

1 حدیث کا درایتی معیار: 191۔259۔

2 الموضوعات، 1: 146۔

3 أيضاً، 1: 146۔

اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتاہیں، لیکن یہ اکثر ہوتا ہے، ہر صورت نہیں۔"

المختصر ائمہ محدثین رحمہم اللہ کے ارشادات میں خود انہوں نے اپنی تصریحات کے مطابق اور بعد میں آنے والے ماہرین فن حدیث کے ہاں معرفت ضعیف، معرفت موضوع یا معرفت منکر وغیرہ جیسے عنوانات سے جو بحث ملتی ہے، اس میں متن سے متعلق ضوابط کو انہوں نے حدیث کے مردود ہونے کے لیے بطور قرائن بیان کیا ہے۔ چنانچہ محدثین کرام رحمہم اللہ کا تحقیق حدیث کے میدان میں ایک عرصہ خدمات سرانجام دینے کے بعد جو ایک فنی ذوق بن جاتا ہے، روایت پر حکم لگاتے ہوئے اس کا ٹھیک وہی مقام ہے جو ہماری روزہ مرہ کی زندگی میں عدالتوں میں شاہدین واقعہ کے ساتھ کسی تجربہ کار قاضی کے تجربہ کا ہوتا ہے۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ اور دیگر محدثین کے درایتی موقف کا تجزیہ

'اہل درایت' عام طور پر خطیب بغدادی رحمہ اللہ کے حوالے سے ضعیف حدیث کو پہچاننے سے متعلق جو ضوابط ذکر کرتے ہیں تو وہ بھی موضوع حدیث کی علامات اور قرائن کے قبیل سے ہیں۔ لیکن وضاحت کے پیش نظر خطیب رحمہ اللہ کی جو عبارت اوپر پیش کی گئی ہے اس کا جزوی تجزیہ ہم ذیل میں کیے دیتے ہیں۔ خطیب رحمہ اللہ کی عبارت کا ملخص یہی ہے کہ ان کے نزدیک ثقہ اور مامون روای کی بیان کردہ روایت کو مندرجہ ذیل امور کے پیش نظر رد کر دیا جائے گا:

1۔ وہ تقاضائے عقل کے خلاف ہو۔

2۔ وہ کتاب اللہ کی نص یا سنت متواترہ کے خلاف ہو۔

3۔ وہ اجماع کے خلاف ہو۔

4۔ ایسی روایت کو صرف ایک راوی بیان کرے جس کا جاننا تمام لوگوں پر واجب ہے۔[1]

5۔ ایسی بات کو صرف ایک آدمی نقل کرے جس کو عادتاً لوگ تواتر کے ساتھ نقل کرتے ہوں۔

ان پانچوں امور پر ترتیب وار ذیل میں تبصرہ کیا جاتا ہے۔

جہاں تک تقاضائے عقل کے خلاف کسی حدیث کو رد کر دینے کا تعلق ہے تو اس قاعدے کے نفاذ میں سب

---

[1] الفقیه والمتفقه، 1: 132۔

سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ بعض حضرات اپنی ذاتی عقل کو یا بعض مکاتب فکر اپنی مخصوص عقل و فکر کو عقل کل کا نام دے کر اس کے خلاف سمجھ آنے والی ہر حدیث کو رد کر دینا شروع کر دیتے ہیں، حالانکہ علما حدیث ہی کی طرف سے اس کی عقل کے ساتھ مطابقت کی صراحت موجود ہوتی ہے۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی مراد یہ ہر گز نہیں ہے کہ کوئی شخص یا گروہ اپنی ذاتی یا جماعتی عقل کو عقل عام قرار دے کر اس کے خلاف آنے والی احادیث کو رد کرتا جائے اور جن علماء نے ایسی احادیث کی عقل کے ساتھ موافقت کو واضح کیا ہے، ان سے سنی ہوئی بات کو اَن سنی کر دے۔

جہاں تک کتاب اللہ اور سنت متواترہ کے خلاف حدیث کو رد کرنے کے اصول کا تعلق ہے تو اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ دراصل بات سمجھنے کی یہ ہے کہ کوئی صحیح حدیث جو طرق صحت سے ثابت ہو چکی ہو اور اسے فن حدیث کے ماہر علمائے کرام و محدثین عظام رحمہم اللہ قبول کرتے اور اپنی مصنفات میں ذکر کرتے آرہے ہوں، وہ کتاب اللہ یا سنت متواترہ کے خلاف ہو ہی نہیں سکتی، کتاب و سنت کے خلاف وہی حدیث ہوتی ہے جو صحیح ثابت نہ ہو۔ اِمام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (متوفیٰ 311ھ) نے اسی لئے فرمایا تھا:

"لا أعرف أنه روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم حديثان بإسنادين صحيحين متضادان فمن كان عنده فليأت به حتى أؤلف بينهما."[1]

"نبی ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ مروی دو احادیث بھی ایسی نہیں ہیں جو مفہوم کے اعتبار سے آپس میں مخالف ہوں، جس کسی کے پاس ایسی دو احادیث ہیں وہ لے آئے تاکہ میں ان میں مطابقت اور مفاہمت واضح کر دوں۔"

اجماع کے خلاف حدیث کو رد کرنے کے اصول کو بھی غلط استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض مکاتب فکر کسی مسئلہ پر اپنے مذہبی یا مسلکی اتفاق کو اجماع کا نام دے دیتے ہیں اور اس کے خلاف آنے والی حدیث کو مخالفتِ اجماع کے دعویٰ سے رد کر دیتے ہیں، حالانکہ متعدد علماء امت اس مسئلہ میں مخالف رائے رکھتے ہیں کہ جس پر اجماع کا دعویٰ کیا جا رہا ہوتا ہے۔ اور کسی بھی مسئلہ میں ایک مجتہد کی مخالفت کی صورت میں بھی اجماع متحقق نہیں ہو سکتا۔ امام ابوالولید باجی رحمہ اللہ (متوفیٰ 474ھ) کہتے ہیں:

---

[1] البغدادی، خطیب، أبو بكر أحمد بن علي بن ثابت، الكفاية، (المدينة المنورة: المكتبة العلمية) : 606۔

"لاينعقد الإجماع إلا باتفاق العلماء جملة فإن شذ منهم واحد لم يكن إجماع." [1]

"جب علما کا اتفاق ہو جائے تو اجماع کہلاتا ہے۔ کسی ایک عالم کے اختلاف کی صورت میں اجماع نہیں ہو گا۔"

یہ دعویٰ کہ "وہ بات جس کا جاننا تمام لوگوں پر واجب ہو، اسے ایک ہی راوی بیان کرے تو اسے بھی رد کر دیا جائے گا۔" اسلاف امت کے ہاں مسلم قاعدہ نہیں ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ (متوفیٰ676ھ) فرماتے ہیں:

"اہل علم کے ہاں ذخیرہ حدیث میں تین احادیث ایسی ہیں جن پر پورے اسلام کا دارومدار ہے:

"إنما الأعمال بالنية. الحلال بين والحرام بين و بينهما مشتبهات ... الخ. من حسن اسلام المرء تركه مالا يعينه." [2]

ان میں سے پہلی دونوں احادیث ایسی ہیں جنہیں روایت کرنے والا ایک ہی راوی ہے، حالانکہ یہ ایسے احکام پر مشتمل ہیں جن کا علم تمام لوگوں کے لئے ضروری ہے۔ صحت نیت اور حلال و حرام میں تمیز سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔ حدیث نبوی کے خلاف اصول گھڑنے والے حضرات بھی ان احکام کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتے کہ جن پر یہ احادیث نبویہ مشتمل ہیں۔ لہٰذا ثقہ راوی کی بیان کردہ حدیث امت مسلمہ کے ہاں قبول ہے، خواہ وہ اس کی روایت میں منفرد ہی کیوں نہ ہو۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ کا پیش کردہ یہ اصول کہ وہ بات جو تواتر سے نقل ہونی چاہئے، اسے اگر ایک ہی شخص نقل کرے تو وہ بھی قبول نہیں ہو گی۔ یہ اصول اپنے نقطہ آغاز ہی سے ناقابل عمل ہے کیونکہ پورے قرآن اور دین اسلام کی وحی صرف ایک ہی شخص پر نازل ہوئی ہے جو کہ نبوت اور رسالت کے منصب پر فائز ہیں۔ اس کے بعد اس نبی کی نبوت میں کئی مواقع ایسے بھی آئے جہاں دوسرے علاقوں کی طرف عقائد و احکام کی تبلیغ کے لئے نبی کی طرف سے ایک ہی مبلغ یا گورنر کو منتخب کیا گیا ہے اور وہ اکیلا ہی تواتر سے متعلقہ اور غیر متعلقہ سب احکام لوگوں کو پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیتا رہا۔

---

1 الباجي، أبو الوليد سليمان بن خلف، إحكام الفصول في أحكام الأصول، تحقيق:عبد الله الجبورى،(بيروت: مؤسسة الرسالة، الطبعةالأولى، 1989ء): 393۔

2 النووي، أبو زكريا، يحيي الدين يحي بن شرف، المنهاج شرح الصحيح مسلم،(بيروت: دار إحياء التراث العربي،الطبعة الثانية، 1392ھ)،11: 27۔

حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ کے حوالے سے بالکل واضح رہنا چاہیے کہ انہوں نے صراحتًا مذکورہ کلام کو اپنے مشہور 'مقدمہ اصول حدیث' میں معرفۃ الموضوع یعنی موضوع حدیث کی پہچان کیسے ہو گی؟ کا عنوان قائم کر کے ذکر فرمایا ہے، چنانچہ ان سے سند سے قطع نظر متن کی تحقیق کے دعوی کو کسی طرح ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

اِمام ابن دقیق العید رحمہ اللہ کی طرف شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ نے جس قول کو منسوب کیا ہے، اس سے بالبداہت واضح ہے کہ انہوں نے یہ قول 'معرفۃ وضع الحدیث' کے ضمن میں ارشاد فرمایا ہے۔

اِمام ابن قیم رحمہ اللہ کی جس تصنیف کو درایتی نقد کے اثبات کے لیے بنیاد بنایا جاتا ہے، اس کتاب کی ابتدا ہی میں واضح طور ابن قیم رحمہ اللہ نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ سند کو دیکھے بغیر کیا صرف متن کے ذریعے موضوع روایات کی معرفت و پہچان ممکن ہے یا نہیں؟ چنانچہ اِمام ابن قیم رحمہ اللہ نے پوری کتاب میں یہی جواب دیا ہے کہ موضوع حدیث کے متن کو دیکھ کر بعض علامات اور قواعد کے ذریعے موضوع حدیث کی معرفت ممکن ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب کس طرح ہو سکتا ہے کہ ابن قیم رحمہ اللہ نے یہ کتاب موضوع حدیث کے اصول وضوابط پر لکھی ہے؟ صحیح بات یہی ہے کہ "المنار المنیف" کا موضوع 'معرفت موضوع حدیث' ہے نہ کہ موضوع حدیث کے اصول وضوابط کا بیان۔

اَبو الحسن کنانی رحمہ اللہ کے حوالے سے جس قول کو درایتی نقد کے اثبات میں پیش کیا گیا ہے وہ ان کی موضوعات پر مشتمل کتاب کی بحث "حقیقة الموضوع وإماراته وحكمه" سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ جو بات متن کی تحقیق سے متعلقہ انہوں نے ارشاد فرمائی ہے اس کا تعلق بھی 'علامات وضع حدیث' سے ہے۔

محدثین کرام رحمہم اللہ کے حوالے سے معاصر درایتی نقد کے اثبات میں پیش کیے گئے ناموں میں سے ایک نام محدث عمر بن بدر الموصلی رحمہ اللہ (متوفیٰ 622ھ) کا بھی ہے، لیکن ان کے حوالے سے جس قول کو اوپر درج کیا گیا ہے اس سے معاصر درایتی نقد کے استدلال کا کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے تو یہ کہہ کر محدثین کرام رحمہم اللہ کی تائید کر دی ہے کہ محدثین نے نقد حدیث میں صرف سند پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی توجہ متن حدیث کی طرف بھی پوری طرح مبذول رہی ہے اور انہوں نے متعدد ایسی روایات کو موضوع قرار دیا ہے کہ جن میں سند کے ساتھ ساتھ متن کی خرابیاں بھی پائی جاتی تھیں۔ مزید ان کے قول کا تعلق اس بات سے ہے کہ کسی حدیث کے موضوع ہونے میں اگر محدثین کو راوی یا سند کے ذریعے واقفیت حاصل ہوتی ہے تو اسی طرح اس

حدیث کی 'متنی خرابیوں' سے متعلقہ علامات سے بھی محدثین کرام رحمہم اللہ حدیث کے وضع ہونے تک رہنمائی حاصل کر لیتے ہیں۔

اِمام ابن جوزی رحمہ اللہ کی طرف سے درایتی نقد کے ثبوت کے لیے جو قول اوپر پیش کیا گیا ہے، وہ سراسر غلط فہمی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابن جوزی رحمہ اللہ کے قول کا مطلب ائمہ محدثین رحمہم اللہ نے کیا سمجھا اور خود موصوف کی نظر میں ان کے قول کا مطلب کیا ہے؟ اسے واضح کر دیا جائے۔

اِمام ابن جوزی رحمہ اللہ کے نقل کردہ پہلے دو اقوال سے ان کی کیا مراد ہے، کے ضمن میں درج ذیل اقوال ملاحظہ فرمائیں۔ اِمام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے اس قسم کے اصولوں کو 'معرفت وضع الحدیث' کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے۔[1] اِمام سیوطی رحمہ اللہ (متوفیٰ 911ھ) نے صراحتاً ابن جوزی رحمہ اللہ سے نقل کردہ اس قسم کے اقوال کو 'قرائن' کی بحث میں شمار کیا ہے۔[2] اِمام سیوطی رحمہ اللہ نے تدریب الراوی میں مزید یہ وضاحت بھی فرمائی ہے کہ ابن جوزی رحمہ اللہ کے اس قول "ما أحسن قول القائل إذا رأيت الحديث يباين المعقول أو يخالف المنقول أو يناقض الأصول فاعلم أنه موضوع" میں 'خلاف اصول' ان کی کیا مراد ہے؟ فرماتے ہیں:

> "ومعنى مناقضته للأصول أن يكون خارجا عن دواوين الإسلام من المسانيد والكتب المشهورة."[3]
>
> "ابن جوزی رحمہ اللہ کی 'خلاف اصول' سے مراد یہ ہے کہ وہ روایت حدیث کی امہات الکتب میں نہ پائی جائے۔"

یہاں بر سبیل تذکرہ یہ بات بھی واضح کر دینی چاہیے کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ (متوفیٰ 1176ھ) نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "حجة الله البالغة" میں محدثین کرام کے حوالے سے کتب حدیث کے چار طبقات ذکر کیے ہیں اور فرمایا ہے کہ پہلے دو طبقات محفوظ تر ہیں، کہ جن میں انہوں نے صحیحین، موطا اِمام مالک اور سنن اربعہ وغیرہ کو

---

[1] فتح المغيث،1: 269۔

[2] تدريب الراوی، 1: 233۔

[3] أيضاً،1: 234۔

شمار کیا ہے، جبکہ باقی دو طبقات میں پائی جانے والی حدیث کو خوب اہتمام سے انتہائی چھان پھٹک کر کے لینا چاہیے۔[1]

گویا امام ابن الجوزی رحمہ اللہ یہاں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو روایت کتب ستہ اور موطا امام مالک میں دستیاب نہ ہو عموماً ضعیف ہوتی ہے۔ اسی لیے 'خلاف اصول' کی وضاحت کرتے ہوئے امام ابن جوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"متى رأيت حديثا خارجا عن دواوين الإسلام كالمؤطأ ومسند أحمد والصحيحين وسنن أبي داؤود ونحوهافانظر فيه فإن كان له نظير من الصحاح والحسان قرب أمره وإن ارتبت فيه ورأيته يباين الأصول فتأمل رجال إسناده واعتبر أحوالهم من كتابنا المسمى بالضعفاء والمتروكين فإنك تعرف وجه القدح فيه"[2]

"جب تم کسی حدیث کو اسلام کے دواوین مؤطا، مسند احمد، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داؤد اور اس کی مثل کتابوں سے خارج دیکھو اور اس کی نظیر صحیح و حسن حدیثوں میں موجود ہو، تو اس کے بارے میں فیصلہ کرنا آسان ہے۔ اور اگر تمہیں شک ہو، نیز وہ حدیث 'اصول' کے خلاف ہو تو سند اور راویوں کے حالات پر غور کرو۔ ہماری کتاب جس کا نام "كتاب الضعفاء والمتروكين" ہے، اس سے راویوں کا حال معلوم ہو جائے گا اور حدیث میں خرابی کا پتہ چل جائے گا۔"

بلکہ بعض علما نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے:

"کلی قواعد میں یہ بات بھی داخل ہے کہ احادیث نبویہ، مسائل فقہیہ اور تفاسیر قرآنی انہی کتب سے نقل کی جائیں کہ جو متداول ہیں، کیونکہ یہ کتب محفوظ ہیں اور ان کے علاوہ دیگر کتب میں زنادقہ اور ملاحدہ نے موضوع حدیثیں شامل کر دی ہیں، جس کی بنا پر وہ قابل اعتماد نہیں ہیں۔"[3]

یاد رہے کہ مذکورہ ضابطہ اکثری ہے، کلی نہیں۔ اسی لیے امیر صنعانی رحمہ اللہ (متوفیٰ 1182ھ) نے فن حدیث کی معروف کتاب توضیح الافکار میں ایک مستقل باب "باب عدم انحصار الصحيح في كتب الحديث"

---

1 الدهلوي، شاه ولي الله ، حجة الله البالغة، باب طبقات كتب الحديث،(بيروت: المكتبة السلفية):132۔135۔

2 الموضوعات، 1: 141۔

3 ملا علي القاري، نور الدين علي بن محمد بن سلطان، الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة،(بيروت: المكتب الإسلامي، الطبعة الثانية، 1976ء): 393۔

کے نام سے قائم کیا ہے، کہ جس میں اس خیال کی تردید کی گئی ہے۔[1]

اِمام سیوطی رحمہ اللہ نے 'تدریب الراوی' میں علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کے بیان کردہ تینوں قرائن کو ذکر کرنے کے بعد ان اصولوں کی امثلہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کے حوالے سے بیان فرمائی ہیں، کہ جن میں اکثر روایات حدیث کی امہات الکتب سے خارج ہونے کے ساتھ ساتھ عقلاً و نقلاً محال بھی ہیں اور اسنادی اعتبار سے یا موضوع ہیں یا ضعیف یا منکر۔[2] مثال کے طور پر انہوں نے اس روایت کو بیان کیا ہے:

"يكون في أمتي رجل يقال له محمد بن إدريس أضرعلى أمتي من إبليس ويكون في أمتي رجل يقال له أبوحنيفة هو سراج أمتي"[3]

"میری امت میں ایک شخص ایسا ہو گا کہ جس کا نام محمد بن ادریس ہو گا اور وہ میری امت کے لیے ابلیس سے زیادہ نقصان دہ ہو گا۔ اور میری امت میں ایک شخص ایسا ہو گا کہ جس کا نام ابو حنیفہ ہو گا اور وہ میری امت کا چراغ ہو گا۔"

امام ابن جوزی رحمہ اللہ کے مطابق چونکہ یہ روایت حدیث کی معتبر اور مشہور کتابوں میں نہیں ہے اس لئے موضوع ہے۔ مزید برآں مخالفت عقل کی بھی انہوں نے مثالوں سے وضاحت کر دی ہے، جیسا کہ اس ضمن میں انہوں نوح کی کشتی کے خانہ کعبہ کا طواف کرنے اور پھر مقام ابراہیم پر جا کر دو رکعت نماز ادا کرنے کی روایت کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ روایت حدیث کی امہات الکتب سے خارج ہونے کے ساتھ ساتھ عقلاً بھی محال ہے اور اسنادی پہلو سے بھی بالکل من گھڑت ہے، اس لئے موضوع ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ ابن الجوزی رحمہ اللہ سے اس قول کو پیش کرنے والے 'اصول کی مخالفت' کا مطلب اپنے عقلی درایتی اصول لیتے ہیں، تو یہ بات قطعاً کسی محدث بشمول ابن جوزی رحمہ اللہ کا موقف نہیں۔

ائمہ فن کی مذکورہ تمام تصریحات سے قطع نظر خود اِمام ابن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز تصنیف 'الموضوعات' میں باقاعدہ "كيف تُحكم على الحديث صحة وضعفا؟" کا عنوان قائم کر کے وضاحت فرمائی

---

[1] الصنعاني، محمد بن إسماعيل بن صلاح بن محمد، توضيح الأفكار، (بيروت۔لبنان: دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى، 1997ء)، 1: 53۔

[2] تدریب الراوی، 1: 234۔237۔

[3] أيضاً، 1: 235۔

ہے کہ کسی حدیث کی صحت وضعف کی بنیاد قرائن کے بجائے حتمی چیزوں یعنی راوی اور سند سے متعلقہ امور پر ہے۔[1] پھر خود اسی کتاب کے ایک اور مقام پر کیف یُعرف الحدیث المنکر؟ کا عنوان قائم کرکے یہ اصول بیان کیا ہے کہ

"الحديث المنكر يقشعر له جلد الطالب للعلم وينفر منه قلبه في الغالب."[2]

پس اِمام ابن جوزی رحمہ اللہ کے نزدیک کسی حدیث کے موضوع قرار پانے کا واحد مدار اسی بات پر نہیں ہے کہ وہ روایت خلاف عقل ہو بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے کسی روایت کے موضوع ہونے میں اس بات کی بھی شرط عائد کردی ہے کہ اس کا وجود امہات الکتب میں نہ پایا جاتا ہو۔ اس سے یہ بات ازخود سمجھ آرہی ہے کہ اگر کوئی روایت امہات الکتب میں موجود ہو، جن کی اسناد پایہ کے اعتبار سے انتہادرجہ کی قابل اعتماد ہیں اور اُمہات الکتب کی یہ روایت عقل کے بھی خلاف معلوم ہوتی ہو تو اس کو موضوع قرار نہیں دیا جائے گا، کیونکہ موضوع ہونے میں خلاف عقل ہونے کے ساتھ ساتھ امہات الکتب میں اس کا نہ پایا جانا بھی ضروری ہے۔ جس کا صریح مطلب یہ نکلتا ہے کہ امہات الکتب میں مروی کسی روایت کو صرف متن کی بنیاد پر خلاف عقل ہونے کی وجہ سے قطعی طور پر موضوع قرار نہیں دیا جاسکتا۔

کسی حدیث کی صحت کا اصل دارومدار خبر مقبول کی پہلی تین اساسی شرائط کے وجود پر ہے، جبکہ ابن جوزی رحمہ اللہ کا مذکورہ قول اس کے برخلاف معلوم ہوتا ہے۔ ’اہل درایت‘ بالخصوص علامہ تقی امینی رحمہ اللہ اس طرح کے اقوال کو پیش کرکے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نقد سند کی طرح محدثین کے نزدیک نقدِ متن ایک مستقل معیار تحقیق ہے لیکن ان کا یہ دعویٰ امام ابن جوزی رحمہ اللہ سے ثابت نہیں ہو رہا ہے، کیونکہ جس قول کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے اس قول کے ذکر کرنے کے معا بعد اِمام موصوف رحمہ اللہ نے اپنے قول کی وضاحت خود کردی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس کی عموماً دو شکلیں ہوتی ہیں:

1۔ بعض بے دین اور جھوٹے راوی کسی موضوع حدیث کو ثقہ راویوں کی حدیث میں داخل کردیتے ہیں، پھر یہ داخل شدہ حدیث ثقہ راوی کی حدیث سمجھ کر روایت کی جاتی۔ مثلاً ابن ابی العوجاء جو حماد بن سلمہ کا سوتیلا بیٹا تھا،

---

[1] كتاب الموضوعات، 1: 141۔

[2] أيضاً، 1: 146۔

وہ ثقہ راوی کی حدیث میں یہ حرکت کیا کرتا تھا۔ حدیث: ((إن سفينة نوح طافت بالبيت سبعا وصلت خلف المقام ركعتين)) اسی قبیل سے ہے۔

2۔ کوئی راوی جھوٹے اور ضعیف لوگوں سے حدیث سنتا ہے، جس کو یہ لوگ اپنے شیخ سے روایت کرتے تھے لیکن روایت حدیث میں حرص کی وجہ سے یہ راوی درمیان سے جھوٹے اور ضعیف لوگوں کے نام نکال کر براہ راست شیخ سے نقل کرنے لگتا تھا، جس سے حدیث مقلوب ہو جاتی تھی۔[1]

اِمام ابن جوزی رحمہ اللہ نے دونوں مذکورہ شکلوں کی معرفت کو حد درجہ مشکل بتایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"فإن قوى نظرك ورسخت في هذا العلم فهمت مثل هذا وإن ضعفت فاسأل عنه وإن كان قد قلّ من يفهم هذا بل عدم."[2]

"اگر تیری نظر قوی ہے اور اس علم میں رسوخ حاصل ہے تو اس جیسی صورت کو سمجھ لے گا اور اگر کمزور ہے تو اس کے بارے میں پوچھ لے، اگرچہ اس کے سمجھنے والے بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔"

نتیجہ بحث

'اہل درایت' جس آیت کریمہ کو نقدِ روایت کے درایتی تصور کے اثبات کے لیے عام طور پر پیش کرتے ہیں:

﴿ لَوْ لَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّ قَالُوْا هٰذَا اِفْكٌ مُّبِيْنٌ﴾

"تم نے جب اسے سنا تو کیوں نہ مومن مردوں اور عورتوں نے اپنوں کے بارے میں اچھا گمان کیا اور یہ کہا کہ یہ صریح بہتان ہے۔"

اس آیت کریمہ سے 'اہل درایت' کا اپنے اصولِ درایت پر استدلال کرنا عجیب ہے، کیونکہ جس آیت کو انہوں نے نقدِ روایت کے درایتی تصور کے اثبات کے لیے پیش کیا ہے وہ 'اصولِ درایت' کی دلیل کے بجائے اس طریقہ تحقیق کے رد اور خبر کو 'اصول روایت' سے پرکھنے کی دلیل ہے۔ اس سلسلہ میں چند پہلو درج ذیل ہیں:

---

[1] كتاب الموضوعات، 1: 143۔

[2] أيضاً، 1: 145۔

1۔ مذکورہ آیت کریمہ کو رب ذوالجلال نے واقعۂ افک کے ضمن میں پیش فرمایا ہے۔ عربی زبان میں افک بہتان کو کہتے ہیں جس کی کوئی سند نہیں ہوتی۔

2۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اس بہتان کو باندھنے والوں نے نہ صرف یہ کہ مشاہدہ سے اس بات کو اخذ نہ کیا تھا، بلکہ انہوں نے تہمت لگاتے ہوئے چار گواہیاں بھی پیش نہ کی تھیں۔

3۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ ﷺ جیسے پاکیزہ انسان کی بیوی ہونا اس پر مستزاد ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَ الطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ﴾ لہٰذا ایسی بات کو سنتے ہی صحابہ کرام کو رد نہیں کرنا چاہیے تھا؟ اس وجہ سے کہ ایسی (بے سندی) تہمت کو نبی کریم ﷺ کی پاکیزہ بیوی پر لگایا جارہا ہے اور مسلمانوں میں سے بھولے بھالے لوگ ان امور پر غور نہیں کررہے۔ مزید برآں اس واقعہ کو چار گواہوں کے نہ ہونے کی وجہ سے سنتے ہی رد کردینا چاہیے تھا۔

'اہل درایت' جن دیگر آیات واحادیث کا حوالہ دے کر اپنے درایتی اصولوں کا اثبات کرتے ہیں، ان تمام کے بارے میں اتنا عمومی جائزہ کافی ہے کہ مذکورہ اقوال ائمہ کی طرح یہ تمام آیات واحادیث بھی دراصل ضعیف یا موضوع احادیث کو پہچاننے کی علامات کے ضمن میں شریعت مطہرہ میں وارد ہوئی ہیں، چنانچہ ان کو پیش کرکے سند سے قطع نظر، نقدِ متن کا اثبات کسی صورت ثابت نہیں کیا جاسکتا۔